آزادی کے بعد فوراً اپنا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر قومیں آزادی حاصل کر لینے کے بعد انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مختلف گروہ اسے مختلف سمتوں میں کھینچتے ہیں اور اس طرح اس کی صلاحیتیں ضائع ہوتی رہتی ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے مسلمان اس پریشانی سے اگر چاہیں تو بالکل محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اُن کے پاس اسلام کی صورت میں ایک ایسا انقلاب انگیز اور جامع نظامِ حیات موجود ہے جسے وہ بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑی سی محنت صرف کر کے اپنے ہاں کامیابی سے نافذ کر سکتے ہیں۔ پھر اس کے نفاذ میں انہیں کسی قسم کی دِقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس کا سبب اس نظام سے مسلمانوں کی فطری مناسبت ہے۔ اس قوم نے آزادی کے لیے وقتاً فوقتاً جو جدوجہد کی ہے اس کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ محض سیاسی آزادی کا حصول اس قوم کا کبھی بھی مطمح نظر نہیں ہوا۔ اس نے آزادی کو ہمیشہ ایک بڑے مقصد یعنی اسلامی نظام کے اِحیاء کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے لیے جدوجہد کی۔ ان حالات میں تھوڑی سی کوشش سے کسی مسلم ملک کے اندر اسلام کو ایک غالب قوت بنایا جا سکتا ہے۔ جب کسی فرد یا قوم کے دل کی پکار اُس کے سامنے ایک نظامِ حیات کی صورت اختیار کر لے تو اس سے زیادہ اس قوم کے لیے ذہنی اور جذباتی آسودگی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مگر اسے خطۂ پاک کی بدقسمتی سمجھیے کہ جس نظام کی عملداری کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا ہے اس نظام کے خلاف اوّل روز ہی سے سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا وسیع سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اس کام میں وہ لوگ پیش پیش ہیں جو شومیٔ قسمت سے اس ملک میں پیدا ہو گئے ہیں ورنہ جنہیں اس ملک کی نظریاتی اساس، اس کے تہذیبی سرمائے اور اس کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔ پھر اس طبقے نے اپنے فرنگی آقاؤں سے قیادت و سیادت کا جو سبق سیکھا ہے وہ قوم کی منشا کے علی الرغم جبر کے ساتھ اپنے نظریات کو ٹھونسنے کا سبق ہے۔ اس طبقے کے سوچنے کا انداز یہ ہے کہ سب سے پہلے کسی طرح حکومت پر قبضہ کر لیا جائے اور پھر حکومت کی قوت کے ذریعہ سے قوم کو اپنے دل پسند سانچوں میں ڈھالنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ یہ طبقہ ہی

(باقی صفحہ ۵ پر)

"حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت"

البلاغ کے خصوصی نمبر پر تبصرہ

ملک غلام علی صاحب

(۳)

[توریث و دیت کے مسائل پر ترجمان میں ضروری بحث آچکی ہے۔ اس کے بعد تقسیم غنائم اور سبّ و شتم کی باری آتی ہے۔ مَیں ان دونوں مسئلوں پر البلاغ کے تبصرے کا جواب لکھ چکا ہوں، لیکن اس کی یکجا اشاعت کے لیے ترجمان کے تقریباً ۴۰ صفحات درکار ہیں۔ ترجمان القرآن کی ضخامت چونکہ ناگزیر وجوہ کی بنا پر کم کی جارہی ہے اس لیے مالِ غنیمت سے متعلق بحث کو روک کر اس پرچے میں سبّ و شتم والی بحث کو پہلے دیا جارہا ہے۔ "خلافت و ملوکیت" ص ۱۷۴ کی ترتیب کے لحاظ سے بھی یہی مسئلہ پہلے آنا چاہیے۔ آئندہ ترجمان میں انشاء اللہ غنیمت کا مسئلہ زیر بحث آئے گا۔ غلام علی]

مسئلہ سبّ و شتم | اب میں حضرت علیؓ اور اہلِ بیت پر سبّ و شتم کے مسئلے کو لیتا ہوں۔ میں نے ضروری آثار و شواہد کے ساتھ اس امر کا پورا ثبوت فراہم کردیا تھا کہ اس مہم کا آغاز امیر معاویہؓ نے کیا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک یہ پورے زور شور سے جاری رہی تھی۔ مگر مجھے سخت حیرت ہے کہ مدیر البلاغ نے پھر میری باتوں کو غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے اور مَیں بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ دوبارہ مجبوراً اس تکلیف دہ موضوع پر کلام کر رہا ہوں۔ البلاغ کے تازہ نمبر میں پہلے اس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے جو مَیں نے البدایہ سے نقل کی تھی اور جس میں یہ مذکور ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کے سامنے حضرت علیؓ کے حق میں بدگوئی اور سبّ و شتم کا آغاز کردیا۔ اس کے بعد مسلم کی جو روایت مَیں نے درج کی ہے، اُسے دوبارہ نقل کیا ہے جو

یوں ہے :

"امر معاویۃ بن ابی سفیان سعداً فقال ما منعک ان تسب ابا تراب فقال اما ما ذکرت ثلاثا قالھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلن اسبہ"

اس روایت کا ترجمہ بھی میرے الفاظ میں مولانا محمد تقی صاحب نے دے دیا ہے اور وہ یہ ہے :

"حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کو حکم دیا، پھر کہا کہ آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ ابوتراب (حضرت علیؓ) پر سب و شتم کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب میں ان تین ارشادات کو یاد کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمائے تھے تو میں ہرگز ان پر سب و شتم نہیں کر سکتا۔"

اس پر مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "سب سے پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس ترجمہ کو درست مان لیا جائے، تب بھی اس کی روشنی میں اس قول کی دلیل کیسے مل گئی کہ "حضرت معاویہؓ خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔" اے کاش کہ عثمانی صاحب میرے غلط ترجمے کے ساتھ اپنا درست ترجمہ بھی درج فرما دیتے، اس کے بغیر آخر میری غلطی کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر میری اس ایک پیش کردہ روایت پر یہ سوال کتنا عجیب و غریب ہے کہ اس میں خطبوں میں برسرِ منبر سب و شتم کا ثبوت کیسے ملتا ہے؟ کیا میں نے سب و شتم کے ثبوت میں بس یہی ایک یا دو روایتیں نقل کی تھیں؟ میں نے تو اکیس بائیس صفحے لکھے تھے۔ میں نے تو فتح الباری، مسند احمد، ابوداود، تاریخ طبری، البدایہ، الکامل، تطہیر الجنان وغیرہ کے متعدد حوالوں سے یہ بات نہایت صراحت و وضاحت سے ثابت کر دی تھی کہ حضرت معاویہؓ اور آپ کے گورنر برسرِ منبر سب و شتم کرتے تھے۔ اس کے بعد بھی اگر دلائل و شواہد کا مطالبہ بدستور قائم ہے تو میں اس موضوع پر ایک پوری کتاب لکھ سکتا ہوں۔ مگر میں یہاں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ اس سب و شتم کے نقوش اوراقِ تاریخ پر اتنے جلی اور نمایاں عنوان کے ساتھ ثبت ہیں کہ ان کے لیے کسی حوالے کا اندراج تکلف سے کم نہیں ہے۔ مؤرخین اسے ایک مسلمہ واقعہ کے طور پر بیان کرتے ہیں اور مولانا مودودی یا میرے لیے یہ ضروری ہی نہ تھا کہ اس کے لیے کوئی حوالہ دیتے اور جو پہلے دیئے گئے یا اب دیئے جائیں گے وہ "تبرعاً" دیئے

جائیں گے۔ متعدد اہلِ علم نے اس سبّ و شتم کی رسم کو بطورِ ایک بدیہی واقعہ کے بیان کیا ہے اور بعض نے اس کے لیے کسی حوالے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ میں یہاں اس کی چند مثالیں پیش کیے دیتا ہوں۔

مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اپنی کتاب "تاریخ اسلام" جلد دوم، طبع پنجم ص۳۱ پر لکھتے ہیں:

"امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمّال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہؓ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حُجرؓ بن عدی اور ان کی جماعت کو قدرتًہ اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔ . . . . مغیرہ بن شعبہ کے بعد زیاد کے زمانہ میں بھی یہ رسم جاری رہی۔"

مشہور مصری عالم و مؤرخ استاذ محمد ابوزہرہ، اپنی تصنیف "تاریخ المذاہب الاسلامیہ" الجزء الاول ص۳۵ مطبوعہ دار الفکر العربی میں لکھتے ہیں:

"وقد كان العصر الاموى محرّضًا على المغالاة فى تقدير على رضى الله عنه لأن معاوية سن سنة سيئة فى عهده وفى من خلفه من الامويين حتى عهد عمر بن عبد العزيز وتلك السنة هى لعن امام الهدى على ابن ابى طالب رضى الله عنه عقيب تمام خطبة ولقد استنكر بقية الصحابة ونهوا معاوية وولاته عن ذالك حتى لقد كتبت ام سلمة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم اليه لنا بانهاه وتقول فيه انكم تلعنون الله و رسوله على منابركم وذالك انكم تلعنون على ابن ابى طالب ومن احبه واشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم احبه۔

"اور بنو امیہ کا عہد حضرت علیؓ کی قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم میں مزید اضافے کا موجب ثابت ہوا، کیونکہ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں ایک بُری سُنّت قائم کی جو ان کے بعد کے جانشینوں نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک جاری رکھی۔ یہ سُنّت[1] یہ تھی کہ امام ہدیٰ علی

[1] مدیر البلاغ نوٹ فرمالیں کہ یہاں محمد ابوزہرہ نے بھی سُنّت کا لفظ استعمال کیا ہے اور سبّ علی کے ضمن میں جو

رضی اللہ عنہ پر خطبۂ جمعہ کے آخر میں لعنت کی جاتی تھی۔ دوسرے صحابۂ کرام نے اس پر نکیر کی اور امیر معاویہؓ اور آپ کے گورنروں کو اس سے منع کیا حتیٰ کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے امیر معاویہؓ کی طرف خط لکھا جس میں اس فعل سے باز رہنے کو کہا اور اس میں لکھا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر بر سر منبر لعن طعن کرتے ہو اور یہ اس طرح کہ علی ابن ابی طالب پر اور جنہوں نے ان سے محبت کی ان پر لعنت بھیجتے ہو اور میں اس کی گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی محبوب تھے۔"

مشہور مؤرخ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل شافعی (وفات: ۷۳۲ھ) جو حماہ (شام) کے والی تھے اور الملک المؤید کے لقب سے معروف تھے، وہ اپنی تاریخ المختصر فی اخبار البشر میں امیر معاویہؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وكان معاوية وعماله يدعون لعثمان في الخطبة يوم الجمعة ويسبون علياً ويقعون فيه۔ (المختصر فی اخبار البشر ج ۲ ص ۹۸-۹۹، دار البحار، بیروت، ۱۳۷۵)

(معاویہؓ اور ان کے گورنر جمعہ کے خطبے میں حضرت عثمان کے حق میں دعا کرتے تھے اور حضرت علیؓ پر سب و شتم اور ان کی بدگوئی کرتے تھے")۔

آگے چل کر ابوالفداء عمر بن عبدالعزیز کے سوانح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كان خلفاء بني امية يسبون علياً رضي الله عنه من سنة احدى واربعين وهي السنة التي خلع الحسن فيها نفسه من الخلافة الى اول سنة تسع وتسعين فلما ولي عمر ابطل ذلك۔ (المختصر، الجزء الثانی ص۱۲۰)

(خلفائے بنی امیہ نے ۴۱ھ سے حضرت علیؓ پر سب و شتم کا آغاز کیا اور یہ وہ سال ہے جب حضرت حسنؓ خلافت سے دستبردار ہوئے۔ یہ سلسلہ ۹۹ھ کے اوائل تک جاری رہا جب

۴۔ اقوال میں نے حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن حجر مکی کے نقل کیے ہیں انہوں نے بھی اس طریقے کو سنت لکھا ہے۔ اب یہ کیسی اور کس کی سنت ہے، اس پر غور فرمائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کا خاتمہ کیا)۔

میں نے البدایہ کی روایت نقل کی تھی جس میں یہ ذکر تھا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کے سامنے نجی مجلس میں حضرت علیؓ کو برا بھلا کہا تھا اور لکھا تھا کہ ایک طرح سے پرائیویٹ مجلس میں سبّ و شتم اپنے ساتھ اغتیاب کو بھی جمع کر لیتا ہے۔ اس سے بھی مدیر البلاغ نے دو نکتے پیدا کر لیے ہیں۔ ایک یہ کہ میرے سبّ و شتم اغتیاب کیوں نہیں، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تم نے تو گویا پرائیویٹ مجلس میں برائی کرنے کو زیادہ مذموم سمجھا، حالانکہ مولانا مودودی تو یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے خطبے میں یہ فعل زیادہ گھناؤنا ہے۔ اگر اس طرح کے لاطائل معارضات کا جواب بھی ضروری ہے، تو میرا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ جب کوفے میں تھے تو شام کے منبروں پر انہیں کوسنا اور حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ان پر سبّ و شتم کرنا یہ بلاشبہ غیبت تھا اور اس حد تک مجھے عثمانی صاحب کے نکتۂ اولیٰ سے پورا اتفاق ہے لیکن جیسا کہ میں ابن حجر مکی کے حوالے سے پہلے نقل کر چکا ہوں اور مولانا مودودی البدایہ وغیرہ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں، جب امیر معاویہؓ کا گورنر مروان حضرات حسنینؓ کے رو در رو انہیں اور ان کے والد ماجد کو خطبۂ جمعہ میں گالیاں دیتا تھا، اسے غیبت کہنا تو مشکل ہے، البتہ اس میں غیبت کا قبیح پہلو اگر مفقود ہے، تو اس کے بجائے یہ مذموم پہلو موجود ہے کہ خطبۂ جمعہ کو ایسی آلودگی سے ملوث کیا جاتا۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے زیادہ برا کام کونسا ہے۔ میرے نزدیک دونوں ہی اپنی شناعت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اگر آپ کے خیال میں میری بات اور مولانا مودودی کی بات میں تفاوت و اختلاف ہے تو چلیے یونہی سہی۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ مجھے مولانا کی ہر بات سے کلی اتفاق ہے۔

اردو اور عربی والا سبّ و شتم میں نے کتب حدیث میں سے سبّ علی کا جو قطعی ثبوت پیش کیا تھا، اس سے صریح انکار کی گنجائش چونکہ نہیں ہے، اس لیے مدیر "البلاغ" نے اس کے بالواسطہ انکار کے لیے استدلال کا ایک دوسرا پہلو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اردو میں لفظ سبّ و شتم جس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، عربی میں نہیں ہوتا۔ عربی میں معمولی سے اعتراض یا تغلیط کو بھی لفظ "سبّ" سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں انہوں نے صحیح مسلم کی ایک حدیث پیش کی ہے جس میں دو صاحبان کے متعلق ذکر ہے کہ

انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبّ" فرمایا۔ مدیر البلاغ کا کہنا یہ ہے کہ یہاں مطلب معاذ اللہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپؐ نے گالیاں دیں۔ یہاں سبّ کا لفظ غلطی پر ٹوکنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس لیے امیر معاویہؓ کے متعلق جو سبّ کا لفظ آیا ہے، اس کا حاصل حضرت علیؓ کے طرزِ عمل پر اعتراض کرنا، اسے غلط ٹھہرانا ہے۔ اس سے زاید کچھ نہیں۔

لیکن مدیر البلاغ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اُردو میں لفظ سبّ و شتم جن معنوں میں آتا ہے، عربی میں نہیں آتا۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ عربی، فارسی اور اردو میں ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان الفاظ کا مطلب ہر حال میں گالی دینا ہی ہو، لیکن یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ عربی میں معمولی سے اعتراض یا غلطی کی نشان دہی کو بھی "سبّ" کے لفظ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ عربی میں بھی یہ لفظ یا تو بدگوئی اور گالم گلوچ کے لیے آتا ہے، یا پھر طعن و تشنیع، زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے آتا ہے۔ نہایہ ابن اثیر، قاموس، الصحاح وغیرہ میں اس کے یہی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ سبّ و شتم کا انداز اور اس کے اسلوب و الفاظ ہر حال میں ایک نہیں ہو سکتے۔ اس میں فریقین کی ذات اور حیثیت جس مرتبہ و منزلت کی حامل ہو گی، سبّ و شتم کے الفاظ بھی اسی کے موافق ہوں گے اور بسا اوقات ایک ہی قسم کے الفاظ ایک موقع و محل میں سبّ و شتم پر محمول ہوں گے اور دوسرے مقام پر نہ ہوں گے۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے، ہم تو حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے بارے میں بھی یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ خدانخواستہ کسی کو ماں بہن کی گالیاں دیتے ہوں گے جیسی کہ اجڈ قسم کے لوگ دیتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ فسبّھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد یہ ہے کہ آنحضورؐ نے بس غلطی پر ٹوک دیا۔ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح حکم دے دیا تھا کہ کل تم لوگ ان شاء اللہ ایک چشمے پر اترو گے تو جو شخص ہم سے پہلے وہاں جا پہنچے وہ پانی کو بالکل نہ چھوئے۔ اس کے باوجود ایسا ہوا کہ دو صاحبوں نے جا کر پانی استعمال کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس صریح حکم کی خلاف ورزی آنحضورؐ کے لیے سخت موجبِ کوفت ہوئی ہو گی اور آپؐ نے خلافِ معمول ہی سخت الفاظ میں ڈانٹا ہو گا جنہیں حضرت معاذؓ نے اس طرح روایت کیا کہ فسبّھما وقال لھما ما

شاء اللہ ان یقول (آنحضورؐ نے بُرا بھلا کہا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ کچھ فرمایا)۔

یہاں اس بات کو واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ دوسرے لوگوں کے سبّ وشتم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلِ سبّ میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اس فعل کا صدور اگر آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے بتقاضائے بشریت ہو تو اسے اس شخص کے حق میں اللہ نے موجبِ رحمت وبرکت بنا دیا ہے جو خطاً اس کا مورد بن گیا ہو، یہ خاصیت کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم ہی کا ایک باب ہے جس کا عنوان ہے: من لعنه النبي صلی اللہ علیه وسلم اوسبّه او دعا علیه ولیس هو اهلاً لذٰلك كان له زكوٰة واجراً ورحمة۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس پر لعنت یا سبّ یا بددعا کریں اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو تو یہ چیز اس کے حق میں اجر وبرکت اور رحمت بن جائے گی)۔

اس کے بعد حدیث ہے کہ دو آدمیوں نے آنحضورؐ سے کوئی ایسی بات کہی کہ آپ سخت ناراض ہوئے اور آپ نے ان پر لعنت اور سبّ کا اظہار فرمایا، (فلعنهما وسبّهما) اور باہر نکال دیا۔ حضرت عائشہؓ نے اس پر کہا "یا رسول اللہ، کسی اور کو خیر سے حصہ ملے تو ملے، مگر یہ دونوں تو بالکل اس سے محروم ہو گئے"۔ آنحضورؐ نے فرمایا "کس طرح؟" وہ بولیں "آپ نے ان پر سبّ اور لعنت بھیجی"۔ آنحضورؐ نے فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے یہ بات ٹھہرا لی ہے کہ اے اللہ، میں ایک بشر ہوں، میں جس مسلمان پر بھی سبّ یا لعنت کر دوں، بددعا کروں، وہ اس کے لیے باعثِ اجر وتزکیہ ہو)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا "اے اللہ، میں بشر ہوں، اگر کسی مومن کو ایذا دوں، اس پر شتم کروں، لعنت کروں یا کوڑے ماروں، تو اس کے لیے قیامت کے روز اس فعل کو رحمت وتقرب کا ذریعہ بنا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص سبّ وشتم یا لعنت کا مستحق ہو، اس پر لعنت ونفرین کرنے میں مضائقہ نہیں، لیکن لعنت یا سبّ وشتم کے عربی یا اردو مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ جو روایت کر رہی ہیں کہ آنحضورؐ نے دو اشخاص پر لعنت کی اور انہیں نکال دیا (اخرجهما)، تو اس میں لعنت کا مفہوم وہی ہے جو ایک اردو دان سمجھتا ہے، بلکہ اس کے لیے لفظ بھی لعنت ہی کا استعمال فرمایا ہوگا۔ جہاں تک سبّ یا بُرا بھلا کہنے کا تعلق ہے، اس کی تشریح ہمیں بہت سی احادیث میں مل جاتی ہے، مثال

کے طور پر آنحضورؐ جب کسی پر ناراض ہوتے تھے تو فرماتے تھے "تیری ماں تجھے روئے، تجھے رونے والیاں روئیں تجھ میں جاہلیت ہے، تیری تباہی ہو، تیری ناک یا چہرہ خاک آلود ہو" بعض اوقات اس سے زیادہ سخت الفاظ فرماتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی لعنت اور بددعا کو (اگر وہ ایسے مسلمان کے خلاف صادر ہو جو اس کا مستحق نہ ہو) اس شخص کے حق میں رحمت بنا دیا۔ اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ لعنت اور بددعا بالخصوص اسے عام طریقہ وغیرہ بنا لینا جائز ہے یا عربی زبان میں سبّ و لعنت کے معنی اردو کے معانی سے مختلف ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام - ۱۰۸)

مولانا اشرف علیؒ صاحب تھانوی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:

"اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے"

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا ہے:

"دشنام مدہید کسانے را کہ مشرکان می پرستند بجز خدا۔ زیرا کہ ایشاں دشنام خواہند داد خدا را از روئے ظلم بغیر دانش"

اب اس آیت میں بھی سبّ کا مطلب بتوں یا معبودوں کو غلط روش پر محض ٹوک دینا یا ان پر معمولی سا اعتراض کرنا نہیں ہو سکتا اور مترجمین حضرات نے سبّ کا جو ترجمہ دشنام یا گالی سے کیا ہے اس کا مطلب بھی شوقیانہ مغلظات نہیں ہو سکتا، بلکہ مراد لعن طعن اور بدگوئی ہے جس سے مقصود محض دل آزاری ہو۔ پھر جیسا کہ پہلے اشارۃً ذکر ہو چکا بسا اوقات ایک ہی قسم کے الفاظ اگر کوئی بڑا چھوٹے کے لیے یا آقا اپنے ماتحت کے لیے کہہ دے تو سبّ و شتم تصور نہیں ہوں گے لیکن وہی الفاظ اگر کم مرتبے کا انسان بڑے مرتبے والے کے حق میں استعمال کرے تو وہ سبّ اور گالی کی تعریف میں آ سکیں گے۔ مثال کے طور پر باپ بیٹے کو یا بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو کودن یا پاجی یا گاؤدی کہہ دے تو مضایقہ نہیں لیکن چھوٹا اگر یہی الفاظ پلٹ کر بڑے کو کہہ دے تو یہ بلاشبہ سبّ و شتم کے زمرے میں داخل ہوں گے، اب مدیر البلاغ

خود تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اپنے ذاتی خصائل و اوصاف میں حضرت علیؓ کے ہم پلہ نہ تھے تو پھر حضرت معاویہؓ کے لیے یہ کیسے مناسب تھا کہ آپ خفیہ یا علانیہ نہ صرف حضرت علیؓ کو مطعون و مجروح کرتے، بلکہ دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے، جو ایسا نہ کرتا اس سے باز پُرس فرماتے اور وہ بھی ان کی وفات کے بعد؟

پھر یہ بات بھی عجیب ہے کہ ایک طرف مولانا محمد تقی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ "یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کے سامنے حضرت علیؓ پر جو سب کیا یا کرنے کی ہدایت کی، تو وہ "اُردو والا سبّ و شتم" نہیں تھا، بلکہ اس سے مراد حضرت علیؓ پر اعتراض کرنا اور ان کی غلطی سے اپنی براءت کا اظہار تھا، اس سے زائد کچھ نہیں" اور دوسری طرف صاحبِ موصوف اِس بات کو ثابت کرنے پر بڑا زور لگا چکے ہیں کہ جن راویوں نے حضرت علیؓ پر سبّ و شتم والی روایات بیان کی ہیں وہ سب امیر معاویہؓ کے جانی دشمن، کٹّے اور جلے بھُنے رافضی اور دروغ باف ہیں۔ اگر سارے سبّ و شتم کا حاصل اور مفاد و مآل بس یہ ہے کہ امیر معاویہؓ حضرت علیؓ پر اعتراض فرما دیتے تھے تو اس کے لیے راویوں کو لتاڑنے اور ان کے لتّے لینے کی کیا ضرورت ہے؟ بالخصوص جبکہ ان واقعات کو اکثر اور بالتصریح بیان کرنے والے نہایت عادل، ثقہ اور سُنّی راوی ہیں۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت علیؓ پر جس سبّ و شتم کا ذکر بار بار حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے، اگر اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ کوئی ایک آدھ غیر محتاط لفظ امیر معاویہؓ کی زبان سے نکل گیا ہو، جیسا کہ عثمانی صاحب ہمیں باور کرانا چاہتے ہیں، تو اس شدید نکیر و احتجاج کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے اور اُسے کس طرح حق بجانب کہا جا سکتا ہے جو بعض جلیل القدر اصحاب کی طرف سے اس کے خلاف صادر ہوا؟ مثال کے طور پر حضرت سعدؓ ہی کے واقعہ کو لیجیے میں نے البدایہ سے جو روایت نقل کی تھی اس میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کو اپنے پاس بٹھایا، پھر حضرت علیؓ کی بُرائی اور عیب چینی شروع کر دی (فوقع فیہ)۔ اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ آپ نے مجھے گھر پر بلایا اور پھر علیؓ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا (وقعت فی علیّ تشتمہ) پھر حضرت سعدؓ نے حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب بیان کیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تھے اس کے

بعد حضرت سعدؓ وہاں سے دامن جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چل دیتے کہ میں آئندہ کبھی بھی آپ کے ہاں نہیں آؤں گا۔ اب کیا کوئی شخص اس بات پر یقین کر سکتا ہے کہ حضرت سعد امیر معاویہؓ کے محض ایک آدھ غیر محتاط لفظ یا معمولی اعتراض پر اس حد تک غضبناک ہوتے ہوں گے؟ پھر فتح الباری، مناقب علی کی شرح میں حضرت سعدؓ کا قول مُسند ابی یعلیٰ سے یوں مروی ہے کہ اگر میرے سر پر آرہ رکھ کر مجھے سبِ علیؓ کے لیے کہا جائے تو میں ابد تک یہ کام نہیں کروں گا۔ کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ پر سب و شتم بس ذرا سا اظہارِ اختلاف و اعتراض ہے؟

سبِ علیؓ کا مفہوم اور اس کی مثالیں | ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے اِس بُری رسم پر متعدد مرتبہ نفرت و ملامت کا اظہار فرمایا۔ ایک حوالہ ابو زہرہ صاحب کی کتاب سے اوپر نقل ہو چکا ہے۔ ایک دوسرا حوالہ میں پہلی بحث میں مسند احمد کا دے چکا ہوں کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر برسرِ منبر سب و شتم کیوں ہو رہا ہے؟ سننے والوں نے حیرت سے پوچھا کہ کہاں اور کیسے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کیا حضرت علیؓ پر سب و شتم نہیں ہو رہا جو آنحضورؐ پر سب و شتم کے مترادف ہے کیونکہ آنحضورؐ علیؓ سے محبت کرتے تھے اور میں اس کی گواہ ہوں؟ پھر میں نے سنن ابی داؤد اور مسند احمد کی روایات نقل کی تھیں جن میں مذکور ہے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جب وہ کوفہ میں امیر معاویہؓ کے عامل تھے، تو ان کی موجودگی میں مسجد کے اندر سبِ علی کا ارتکاب ہوتا تھا اور حضرت مغیرہؓ بھی اس میں شریک تھے جس پر حضرت سعیدؓ بن زید نے سخت صدائے احتجاج بلند کی کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس رسمِ بد کو بند کیوں نہیں کیا جاتا؟ اب اِن ساری تصریحات سے مدیرِ البلاغ اگر آنکھیں میچ کر بس یہ کہتے رہیں کہ عربی والا سب اور ہے، اردو والا اور ہے اور یہ محض ذرا سا اظہارِ اختلاف تھا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ام المومنینؓ اور عشرۂ مبشرہ میں شامل اِن دونوں اصحابِ رسول نے خواہ مخواہ اور بیجا بات کا بتنگڑ بنایا، ورنہ امیر معاویہؓ اور ان کے گورنروں کا تو سرے سے کوئی قصور ہی نہ تھا۔ وہ بس اتنی بات کہتے تھے کہ حضرت علیؓ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے میں مداہنت برت رہے ہیں اور "اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا"! اب اگر عثمانی صاحب سے ہم یہ پوچھیں کہ حضرت، کیا آپ کی نگاہ میں صحابیت کا شرف صرف حضرت معاویہؓ ہی کو

حاصل تھا، اور ام المومنینؓ اور اکابر صحابہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی تو وہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ دوسروں پر توہین صحابہ کا الزام رکھنے والے کبھی خود بھی سوچ لیں کہ وہ صحابہ کا کیا احترام فرماتے ہیں۔

جہاں تک امیر معاویہؓ کے گورنروں کے فعلِ سبّ کا تعلق ہے، اُسے مدیر البلاغ نے یہ کہہ کر صاف کر دینے کی کوشش کی ہے کہ "مولانا نے صرف دو روایتوں کا حوالہ دیا تھا جن میں سے ایک میں گورنر کوفہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا ذکر ہے لیکن اس کے راوی اوّل تا آخر شیعہ ہیں اور دوسری روایت جو مروان (عاملِ مدینہ) کے متعلق تھی، اس کو یُوں اڑا دیا ہے کہ بخاری میں تو صرف یہ ذکر ہے کہ مروان حضرت علیؓ کو ابوتراب کہتا تھا۔ یہ احمقانہ تعریض ہو سکتی ہے مگر اسے گالی نہیں کہا جا سکتا"۔ میں کہتا ہوں کہ طبری والی روایت کے راوی اگر شیعہ ہیں تو کیا ابنِ ماجہ، سنن ابی داؤد اور مُسند احمد والی روایات کے راوی بھی شیعہ ہیں یا چھوٹے ہیں جو شیعوں کی بہ نسبت زیادہ صراحت کے ساتھ فعلِ سبّ و شتم اور اس کے خلاف شدید ردِ عمل کو بیان کر رہے ہیں؟ باقی رہا مروان[1] کا قصہ تو اس کے متعلق البدایہ کی جس روایت کا حوالہ "خلافت و ملوکیت" میں دیا گیا تھا، اس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ "جب مروان مدینے میں حضرت معاویہؓ کا گورنر تھا تو وہ ہر جمعہ کو منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کیا کرتا تھا"۔ اس پر البلاغ میں لکھا گیا تھا کہ مروان حضرت علیؓ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کرتا تھا مگر تاریخی روایتوں میں سے کسی میں ان کا ذکر نہیں۔ میں نے اس کے جواب میں تاریخ الخلفاء (امام سیوطی) اور تطہیر الجنان (ابن حجر مکی)، صـ ۱۵۲ کی ایک روایت نقل کی تھی کہ مروان جمعہ

---

[1] یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ مدیر البلاغ نے مروان کا ملعون علیٰ لسانِ نبوی ہونا تسلیم کر لیا ہے اور انہوں نے امام حاکم کی اس حدیث کو صحیح السند مان لیا ہے جو میں نے نقل کی تھی۔ اس طرح کی بہت سی روایات اور بھی ہیں جو کتبِ حدیث میں مروی ہیں اور جنہیں تطہیر الجنان، صواعقِ محرقہ اور متعدد دوسری کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔ مناسب ہو گا کہ مولانا عثمانی صاحب زحمت فرما کر اس حوالے سے مولانا محمد یوسف صاحب (خطیب اہلِ حدیث، مصطفیٰ آباد، لاہور) کو بھی مطلع فرما دیں۔ انہی صاحب نے ایک حوالہ عثمانی صاحب کو فراہم کیا تھا جسے شکریہ کے ساتھ البلاغ میں درج کیا گیا تھا۔ یہی مولانا محمد یوسف اب مولانا صلاح الدین یوسف کہلاتے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں خلافت و ملوکیت کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں جابجا مروان کو حضرت مروان رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

ہیں حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کو جس طرح گالیاں دیتا تھا، اس سے تنگ آکر حضرت حسن عین اقامتِ جمعہ کے وقت مسجد میں آتے تھے، پہلے تشریف نہ لاتے تھے۔ آخر مروان نے ایک قاصد بھیج کر گالی دی جس میں دیگر سب و شتم کے علاوہ حضرت حسنؓ کو یہ بھی کہا گیا کہ "تیری مثال خچر کی سی ہے جس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ کہے کہ میری ماں گھوڑی ہے ..." ظاہر ہے کہ اس بدزبان نے (جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون اور وزغ ابن وزغ کہا اور جسے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے طرید ابن طرید لکھا) اس نے حضرت حسنؓ کو خچر سے، سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کو گھوڑی سے اور حضرت علیؓ کو گدھے سے تشبیہ دی (نعوذ باللہ من ذالک)۔ اس روایت کے رجال کو ابنِ حجر نے ثقات قرار دیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ معلوم نہیں مروان نے کیا نازیبا الفاظ استعمال کیے، تو اس پر حیف صد ہزار حیف ہے۔ میں پھر بھی یہ مانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ تو ایسی غلیظ گالیاں ہرگز نہ دیتے ہوں گے، لیکن مروان جیسے لعنت زدہ اور زیاد جیسے مجہول النسب گورنر بھی کیا کسی حد پر جاکر رکتے ہوں گے؟ زیاد ہی کی گندی گالیوں کے خلاف حضرت حُجرؓ بن عدی نے احتجاج کیا تھا جس پر ان کے خلاف بغاوت کا بناوٹی مقدمہ بنا کر انہیں سزائے موت دی گئی۔ اس پر بحث پہلے ہی ہو چکی اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ہوگی

"ابوتراب" کے لفظ کا تحقیر آمیز استعمال بہرکیف جو روایات مروان کے سب و شتم کی تفصیل بتاتی ہیں انہیں نظرانداز کرتے ہوئے مدیر البلاغ بس یہ بات دہرائے چلے جا رہے ہیں کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مروان حضرت علیؓ کو ابوتراب کہتا تھا اور وہ زیادہ سے زیادہ اس لفظ کو حقیقی معنی یعنی "مٹی کا باپ" یا "مٹی والا" کے معنی میں استعمال کرتا ہوگا لیکن انصاف کے کسی بھی قاعدے سے اسے سب و شتم نہیں کہا جا سکتا۔ یہ "انصاف کے قاعدے" جو مروان کے حق میں وضع کیے جا رہے ہیں ان کا جواب تو میں بڑی اچھی طرح دے سکتا ہوں مگر اس طرح بات بڑھ جائے گی، اس لیے سردست میں کلام کو اسی لفظ "ابوتراب" ہی تک محدود رکھتا ہوں۔ میں سبِ علیؓ پر گزشتہ بحث میں یہ امر واضح کر چکا کہ مروان اور دیگر حامیانِ بنی امیہ طنز و طعن کے انداز میں حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء کو "ترابیہ" کے نام سے پکارتے تھے چنانچہ حضرت حُجرؓ کے متعلق زیاد نے امیر معاویہؓ کو لکھا تھا کہ "اس ترابیہ سبائیہ گروہ کے طاغوتوں نے امیر المومنین

کی مخالفت کی ہے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مروان اور زیاد وغیرہ ابوتراب اور ترابیہ کے الفاظ کو اس طریق پر استعمال کرتے تھے جو تنابز بالالقاب کی تعریف میں آتا ہے۔ پھر جس لفظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور محبت و منقبت کے ادا فرمایا ہو، اُس میں سے طنز و تمسخر کا پہلو پیدا کرنا توسبّ و شتم بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور شدید تر جرم ہے کیونکہ یہ اُس ذات اقدس کے نطقِ مبارک پر بالواسطہ طعن ہے جس سے عشق و محبت ہر مسلمان کا دین و ایمان ہے۔ حافظ ابن کثیر البدایہ، ج ۷، ص ۳۴۶ پر لکھتے ہیں:

کان بعض بنی امیہ یعیب علیاً بتسمیتہ ابا تراب وھذا الاسم انما سماہ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ثبت فی الصحیحین (بنوامیہ کے بعض افراد حضرت علیؓ کی کنیت ابوتراب کی وجہ سے آپ کی عیب چینی کرتے تھے حالانکہ یہ کنیت تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ اس محبت آمیز لقب میں مروان اور دوسرے بنوامیہ جس طرح معنوی تحریف کرتے تھے اسے مدیر البلاغ ایک معمولی بات قرار دے رہے ہیں لیکن ان مروانیوں کی معنوی ذرّیت آج بھی ہمارے ہاں موجود ہے اور وہ اس لقب "ابوتراب" کو اب تک نشانۂ تضحیک بنا کر حضرت علیؓ اور آپ کے پاکیزہ خانوادہ پر سبّ و شتم کی مشق کر رہی ہے۔ لہٰذا ہمارا لاہور میں ایک شخص ابویزید بٹ[1] نے محبین صحابہ کے نام سے ایک جمعیت بنا رکھی ہے۔ اس نے ایک کتابچہ "بنوہاشم اور بنوامیہ کی قرابت داریاں" کے نام سے چھاپا ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵-۱۶ کی درج ذیل عبارت پڑھیے:

"ذرا نگاہِ تقدّس سے پردہ ہٹا کر نگاہِ تدبّر سے غور فرمائیں کہ حضورؐ کی صاحبزادی کو تکلیف کس نے پہنچائیں۔ آخر سیدنا علیؓ سارا دن کیا کرتے تھے۔ جو خاوند گھر میں کچھ کما کر نہ لائے، اپنی بیوی کے کام کاج میں ہاتھ نہ بٹائے، بیوی اور اولاد کی کفالت نہ کر سکے اور بقول حضرت امام محمد باقر رسول اللہ سے کیے ہوئے وعدے کے خلاف لکڑیاں لانا، پانی بھرنا اور بیرون خانہ

---

[1] غالباً انہی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمود احمد عباسی نے فخریہ کہا ہے کہ میری تبلیغ و تحریک سے لوگ اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کا نام یزید اور اپنی کنیت ابویزید رکھنی شروع کر دی ہے۔

کا کام بھی جناب سیدہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ کے ذمے ڈال دے تو اندازہ لگائیں جناب سیدہ اور خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہاشمی داماد سے کیا سکھ ملا ہوگا ... جب رسولؐ خدا نے فاطمہؓ کو اس حال میں دیکھا، آنسو چشم ہائے مبارک سے رواں ہوتے اور فرمایا اسے دخترِ گرامی تلخی ہائے دنیا کی حلاوت چکھو (یعنی سیدنا علیؓ تمہیں جو دکھ دے رہے ہیں، انہیں برداشت کرو) .... سبائی مفسرین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے چونکہ سیدنا علیؓ کوئی کام کاج نہیں کرتے تھے اسی لیے حضورؐ انہیں اُبوتراب (یعنی مٹی کا ؟) بار بار کہہ کر خطاب کرتے تھے ...

... بار بار ابوتُراب اس لیے فرماتے تھے کہ یہ کوئی کام کاج نہ کرتے تھے اور گھر میں پڑے رہتے تھے "

یہ پُورا رسالہ اس طرح کے مفوات سے لبریز ہے اور اس میں جگہ جگہ مروان کو رضی اللہ عنہ اور یزید کو سیدنا یزید رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے۔ اس ابویزید نے اس طرح کی خرافات پر مشتمل متعدد کتابیں شائع کی ہیں۔ مدیر البلاغ صرف اسی ایک اقتباس کو پڑھ کر مجھے بتائیں کہ کیا اب بھی انہیں اس پر اصرار ہے کہ ابوتراب کے لفظ سے کوئی شخص سبّ وشتم کا کام نہیں لے سکتا اور اسے کسی بھی قاعدے سے سب وشتم کی بوچھاڑ یا گالی نہیں کہا جا سکتا ؟

کیا حضرت علیؓ بھی سبّ وشتم کرتے تھے ؟ حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کے ثبوت میں جو روایات اور جو دلائل مَیں نے پیش کیے تھے ان کے جواب میں عثمانی صاحب نے بعض ایسے اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھی بھی حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہ کی بدگوئی کرتے تھے اور حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن عاص کو بدترین مرد بلکہ ان کے ایمان تک کو مشکوک بتایا۔ آخر میں سب کچھ نقل کر دینے کے بعد "البلاغ" میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ ہم تو ایسی بیشتر روایتوں کو ان کی سند کے ضعف کی بنا پر صحیح نہیں سمجھتے لیکن مولانا مودودی اور غلام علی صاحب جو تاریخی روایات کو بے چون وچرا مان لینے کے قائل ہیں وہ بتائیں کہ ان روایات کی بنا پر کوئی شخص اگر حضرت علیؓ پر بھی سبّ وشتم کا الزام قطعیت کے ساتھ لگا دے تو اس کا کیا جواب ہوگا۔

اس کا جواب دینے کو تو بڑا مفصّل و مدلّل دیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں تقریباً بائیس صفحے تو پہلے اس موضوع کی نذر کر چکا اور اندازاً اتنے ہی صفحات اب دوبارہ لکھ چکا۔ اس لیے میں اب قطعِ بحث کے لیے صرف یہ کہوں گا کہ ہم ہر قسم کی تاریخی روایات کو بے چون و چرا مان لینے کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ لیکن ہم اس بات کے قائل بھی نہیں ہیں کہ کسی صحابی کی کوئی غلطی اگر صحتِ نقل کے ساتھ احادیث و آثار یا تاریخ میں مروی ہو تو اُسے بھی محض اس دلیل کی بنا پر رد کر دیا جائے کہ اس سے صحابہ کرام اور ان کے احترام پر حرف آتا ہے یا پھر ان روایاتِ صحیحہ کے انکار کی راہ اس طرح ہموار کی جائے کہ ایک صحابی کی خطا کو کالعدم قرار دینے کے لیے بعض ضعیف و مکذوب روایات کے ذریعے سے دوسرے صحابی کو بھی اُسی طرح کی خطا کا مورد ٹھہراتے ہوئے آخر میں یہ کہہ دیا جائے کہ صحیح اور غلط روایات سب پھینک دینے کے قابل ہیں۔ میری پوری بحث کو سامنے رکھ کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سبِّ علی کو ثابت کرنے میں میرا اصل انحصار صحیح مسلم، سُنن ترمذی سُنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور مسند احمد پر ہے جو بالاجماع حدیث کی صحیح ترین کتابیں ہیں۔ علماء و مورخین جن کے اقوال میں نے نقل کیے ہیں وہ بھی بالاتفاق ائمہ اہلِ سنت ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں حضرت علیؓ اور اہلِ بیت پر سب و شتم کا آغاز ہوا جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور تک منبروں پر جاری رہا۔ اس کے بالمقابل جناب محمد تقی صاحب پلڑا برابر کرنے کے لیے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بھی اسی طرح سب و شتم کرتے تھے مگر اس کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں ابن حبیب کی المحبّر کی ایک عبارت کو جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھی حضرت عثمانؓ کی بدگوئی کرتے تھے۔ تاہم میں اس روایت کی تردید ضروری نہیں سمجھتا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض حضرات صحابہ نے حضرت علیؓ سے عدم تعاون یا مزاحمت کا رویہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی قاتلینِ عثمان یا حضرت عثمان کو بُرا بھلا کہنے والوں کی سرکوبی نہ کر سکے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ اس مذموم روش کی حوصلہ افزائی یا اُسے گوارا کرتے تھے۔ ویسے تو کوفہ کی مسجد میں خارجی خود انہیں گالیاں اور قتل کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور آپ اسے نظر انداز کرتے تھے مگر جس کسی نے آپ کے سامنے حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کی بدگوئی کی، آپ نے سختی سے اس پر ٹوکا۔

دوسری روایات عثمانی صاحب نے ابن جریر طبری کی نقل کی ہیں۔ ان میں بلاشبہ حضرت علیؓ کے نامناسب الفاظ مذکور ہیں جو انہوں نے حضرت معاویہؓ یا بعض دوسرے اصحاب کے لیے استعمال کیے ہیں۔ میں معصوم عن الخطا نہ حضرت علیؓ کو سمجھتا ہوں نہ امیر معاویہؓ کو۔ حضرت علیؓ بھی بہرحال انسان تھے۔ ان کے مقابلے میں مخالفت و محاربت کی جو روش اختیار کی گئی اس کے نتیجے میں حضرت علیؓ کے دل کا ملول و مکدر ہو جانا قدرتی بات ہے اور ان کا یہ کہہ دینا کہ "معاویہؓ کا کوئی اسلامی کارنامہ نہیں اور وہ اسلام میں بادلِ ناخواستہ داخل ہونے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے اور طلقاء میں سے تھے"، یہ ایک ناخوشگوار جوابی ردّعمل ہے۔ اگر اسے سبّ و شتم سمجھا جاتے تو اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی بھی سامنے رکھا جائے جو صحیح مسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ:

"المستبان ما قالا فعلی البادی منهما مالم یعتد المظلوم"

(دو آدمی ایک دوسرے کی بدگوئی کرتے ہوئے جو کچھ بھی کہیں، اس کا بوجھ ابتدا کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے)۔

اب بربنائے انصاف ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس قضیے میں ابتدا کن کی طرف سے ہوئی اور فریقِ ثانی نے جواباً جو کچھ کیا وہ فریقِ اول سے زاید تھا یا اس سے کمتر تھا؟ اس سلسلے میں مدیرِ البلاغ نے البدایہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حجرؓ بن عدی اور ان کے ساتھی حضرت عثمانؓ کی بدگوئی کرتے تھے۔ حضرت حجرؓ کا موقف جو کچھ بھی تھا، اس پر پہلے تفصیلاً لکھ چکا ہوں اور غالباً آئندہ بھی لکھوں گا۔ یہاں میں صرف یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت حجرؓ نے جو کچھ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کیا اور جو کچھ حضرت حجرؓ کے ساتھ کیا گیا اس کی ذمہ داری سے تو حضرت علیؓ بری ہیں۔ تاہم حضرت علیؓ کی زندگی میں اگر ان کے علم میں کوئی ایسی بات آئی ہے تو آپ نے فوراً اس پر ٹوکا ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ دینوریؒ اپنی تاریخ الاخبار الطوال کے صفحہ ۱۶۵ پر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت حجرؓ اہلِ شام کی بدگوئی کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے انہیں پیغام بھیج کر اس فعل سے منع کیا اور باز رہنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے کہا کہ: امیر المومنین، کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، مگر میں تمہارے لیے ناپسند کرتا ہوں

کہ تم لعن طعن کرو۔

اس کے بعد مولانا محمد تقی صاحب نے البدایہ ج ۷، ص ۲۵۸ کے ایسے اقوال کا ذکر بھی ضروری سمجھا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے ایمان تک کو مشکوک بتایا، حالانکہ ابن کثیر نے خود ان اقوال کی تردید کی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جن اقوال کی ناقل نے خود تکذیب کر دی ہے ان کے بیان کی کیا حاجت تھی؟ ابن کثیر نے تو انہیں نقل کرنے کے بعد یہ لکھ دیا کہ وھذا عندی لا یصح عن علیؓ (میرے نزدیک ان کی نسبت حضرت علیؓ سے صحیح نہیں)۔ لیکن آپ نے ان روایات کے ساتھ دوسری بہت سی روایات کو بھی لپیٹ میں لیتے ہوئے یہ فرما دیا کہ ہم تو ان جیسی بیشتر روایتوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ گویا کہ یہ تاثر دلانا مقصود ہے کہ جو روایتیں ابن کثیر نے بلا تردید و تنقید نقل کی ہیں یا صحاح کی جو روایات میں نے درج کی ہیں اور جن روایتوں کی ابن کثیر نے تکذیب کی ہے، سب ایک درجے میں ہیں، ہم گویا سب کو بے چون وچرا مان لینے کے قائل ہیں اور آپ سب کو یا اکثر کو ناقابلِ اعتبار، قطعی جھوٹ اور افتراء سمجھتے ہیں۔ یہ خلطِ مبحث کا جو انداز آپ اختیار کر رہے ہیں بعینہٖ یہی انداز منکرینِ حدیث اور ناصبیت کے علمبردار اختیار کرتے ہیں وہ چند جھوٹی روایتوں کو لیتے ہیں اور ان کی آڑ میں جس صحیح و اصح حدیث کا چاہتے ہیں انکار کر دیتے ہیں۔

مدیر البلاغ چونکہ بڑے شد و مد کے ساتھ اس بات کے مدعی ہیں کہ جن احادیث و روایات میں سبِّ علیؓ کا ذکر ہے، اس سے مراد بس حضرت علیؓ کی شان میں کچھ غیر محتاط الفاظ کا استعمال ہے، اس لیے میں یہاں سنن ابن ماجہ کی مزید ایک حدیث پیش کیے دیتا ہوں، اس کے ابواب فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے:

عن سعد ابن ابی وقاص قال قدم معاویۃ فی بعض حجاتہ فدخل علیہ سعد فذکروا علیا فنال منہ فغضب سعد۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہؓ ایک حج کے موقع پر آئے تو حضرت سعدؓ ان کے پاس گئے۔ وہاں حضرت علیؓ کا ذکر آیا تو امیر معاویہؓ نے ان کی بدگوئی کی۔ اس پر حضرت سعدؓ غضبناک ہو گئے ..... (اس کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت

علیؓ کے وہی فضائل بیان کیے جو دوسری روایات میں مذکور ہیں)۔

مَیں نے یہاں قال منہ کا ترجمہ بدگوئی کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مولانا عثمانی صاحب فرمائیں کہ بدگوئی کا لفظ سخت ہے لیکن وہ خود ملاحظہ فرمالیں کہ اپنے تازہ خصوصی نمبر میں ص۳۳ پر انہوں نے بھی حضرت حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق "بدگوئی" کا لفظ لکھا ہے جو ینالون منہ کا ترجمہ ہے۔ اب ناپ تول کے پیمانے دو دو تو نہیں ہونے چاہییں کہ ایک حضرت معاویہؓ کے لیے ہو اور ایک حضرت حجرؓ کے لیے ہو۔

مشہور مؤرخ احمد بن یحییٰ البلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف میں لکھتے ہیں:

"لمّا قدم بُسر بن ابی ارطاۃ البصرۃ وکان معاویۃ بعثہ لقتل من خالفہ واستحیاء من بایعہ، صعد المنبر فذکر علیاً بالقبیح وشتمہ وتنقّصہ، ثم قال ایھا الناس انشدکم باللہ اما صدقتُ؟ فقال ابوبکرۃ انک تنشد عظیماً واللہ ماصدقتَ وما بررتَ فامر بابی بکرۃ فضُرِبَ حتیٰ غشی علیہ۔

(جب بُسر بن ابی ارطاۃ بصرہ میں پہنچا اور معاویہؓ نے بُسر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ ان کے مخالفین کو قتل کرے اور ان کی بیعت کرنے والوں کو زندہ رہنے دے تو بُسر نے منبر پر چڑھ کر علیؓ کا ذکر بُرے الفاظ میں کیا، ان کی بدگوئی اور تنقیص کی پھر کہنے لگا "اے لوگو تمہیں خدا کی قسم کیا مَیں نے سچ کہا؟" حضرت ابوبکرہؓ نے جواب دیا "تم بہت بڑی ذات کی قسم دلا رہے ہو، خدا کی قسم تم نے نہ سچ کہا، نہ نیکی کا کام کیا۔ بُسر نے حضرت ابوبکرہؓ کو مارنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ وہ مار سے بیہوش ہو گئے)۔ (انساب الاشراف ص۴۹۲، جلد اول، دار المعارف مصر)

بُسر بھی امیر معاویہؓ کا عامل تھا اور اس کے ظلم و ستم کے واقعات سارے مؤرخین نے بیان کیے ہیں۔ اب یہاں بلاذریؒ صاف بیان کر رہے ہیں کہ اس نے منبر پر چڑھ کر حضرت علیؓ کا ذکر قبیح طریق پر کیا، آپ پر سب و شتم کیا اور آپ کی توہین و تحقیر کی اور ٹوکنے والے صحابی کو مار مار کر بیہوش کر دیا۔ اتنی تصریحات کے بعد اس بات کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ ساری سبّ و شتم والی روایات کو کالعدم یا بالکل معمولی اظہارِ اختلاف پر محمول کر دیا جائے۔

سلسلۂ سب و شتم کی طوالت پھر یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ حضرت علیؓ پر سب و شتم (اور اس کے جواب میں اگر کچھ ہوا ہے تو وہ بھی) حضرت علیؓ کی زندگی تک محدود رہتا، تب بھی اس فعل کے صدور کو لائقِ اغماض سمجھا جا سکتا تھا کیونکہ جب تلواریں نیام سے باہر آ چکی ہوں اور معرکۂ خونچکاں گرم ہو چکا ہو، اس وقت زبانوں کا بالکل خاموش رہنا محالات میں سے تھا۔ لیکن حضرت علی کی شہادت، بالخصوص حضرت حسنؓ کی امیر معاویہؓ کے مقابلے میں خلافت سے دستبرداری کے بعد اس مہم کو یک طرفہ جاری رکھنے کا آخر کیا جواز ہو سکتا تھا؟ میں متعدد حوالوں کے ذریعے سے یہ بات ثابت کر چکا کہ حضرت حسنؓ نے شرائطِ صلح میں سے ایک شرط یہ لکھوائی تھی کہ ہمارے والد ماجد اور ہمارے گھرانے پر سب و شتم کا سلسلہ بند ہو یا کم از کم ہمارے سامنے ایسا نہ ہو۔ یہ شرط طے ہو گئی مگر افسوس کہ اس کی پابندی نہ ہو سکی اور جیسا کہ مؤرخ ابوالفداء اور دوسرے سب مؤرخین نے بیان کیا ہے سب و شتم کی مہم باقاعدہ سرگرمی کے ساتھ دوبارہ اس وقت شروع ہوئی جب امیر معاویہؓ کا کامل تسلط ہو چکا تھا اور بظاہر کوئی اختلاف فضا میں موجود نہ رہا۔ سارے مورخ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور ان کے بھائیوں کی روش امیر معاویہؓ کے ساتھ ہمیشہ بڑی مصالحانہ رہی۔ مدیر البلاغ کو بھی اس کا اعتراف ہے اور انہوں نے جا بجا یہ لکھا ہے کہ حضرت حجرؓ نے جب حضرات حسنینؓ کو امیر معاویہؓ کے خلاف اٹھنے پر اکسایا تو انہوں نے ہرگز اس کی حوصلہ افزائی نہ کی اور اسی طرح محمد بن حنفیہ نے یزید کی عدمِ اطاعت پر لوگوں کو ٹوکا اور کہا کہ وہ بھلے آدمی ہیں۔ اس ساری صورتِ حال کے بعد اس سب و شتم کی مہم کا جاری رہنا اتنا افسوسناک بلکہ دردناک ہے کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ مدیر البلاغ اگر چاہیں تو اس سارے سلسلے کا انکار کر سکتے ہیں لیکن یہ محض تاریخی روایات ہی کا نہیں احادیثِ صحیحہ کا بھی انکار ہو گا۔ "اردو والے سب و شتم" اور "عربی والے سب و شتم" کی اقسام بیان کرنے سے بھی کام نہیں چلے گا۔ مثلاً میں نے سُنَنِ ابی داؤد کی ایک حدیث نقل کی تھی جس میں مذکور ہے کہ حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت مقدامؓ بن معدیکرب نے جب انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر اظہارِ افسوس کیا۔ تو اس پر حضرت امیر معاویہؓ نے تعجب کا اظہار فرمایا اور ان کے ایک خوشامدی نے کہا کہ حسنؓ تو ایک انگارہ تھا جسے اللہ نے بجھا دیا۔ اس پر حضرت مقدامؓ نے جو کچھ فرمایا اور شارحینِ حدیث نے جو کچھ لکھا، وہ بھی میں نقل کر چکا۔ ایسی مثالیں صحیح احادیث سے مزید بھی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ایسی دراز نفسی نہ تلخ نوائی کا حاصل معلوم!

یہاں چونکہ تاریخی روایات کی بحث چل نکلی ہے، اس سلسلے میں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ یہ ہے کہ جو لوگ دوسروں کے معاملے میں بڑے محقق اور نقاد بنتے ہیں انہیں خود بھی تحقیق و تثبت کے ساتھ بات کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ مدیر البلاغ نے جب مولانا مودودی پر تنقیدی مضامین کا سلسلہ شروع کیا تھا تو انہوں نے صفر ۱۳۸۹ھ کے پرچے میں ص ۱۷ پر لکھا تھا کہ تاریخی روایات میں اسماء الرجال کی کتابوں سے رجوع نہ کیا جائے تو "خدارا مولانا مودودی یہ بتلائیں کہ ابن جریر نے جو نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اُوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا، اسے رد کر دینے کی آخر کیا وجہ ہے"۔ میں نے اپنی حد تک تفسیر ابن جریر کے جملہ متعلق مقامات کو بغور دیکھ لیا ہے اور میں پورے یقین و اطمینان سے یہ کہتا ہوں کہ ابن جریر پر یہ بالکل ایک جھوٹا اتہام ہے۔ بلاشبہ انہوں نے بعض اسرائیلی روایات نقل کی ہیں جو قابلِ اعتماد نہیں ہیں لیکن زنا کا الزام، خواہ مقصود اس کی تردید ہی ہو، یہ امام ابن جریر نے کہیں بھی درج نہیں کیا۔ ابن جریر کو بدنام اور مطعون کرنے میں بعض دوسرے لوگوں نے کوئی کسر چھوڑی تھی تو کیا اب عثمانی صاحب اُسے بھی پورا کر دینا چاہتے ہیں؟

میں نے حکایات الاولیاء کے حوالے سے جو واقعہ نقل کیا تھا، اس کے متعلق مدیر البلاغ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت شاہ شہیدؒ نے شیعہ حضرات کو الزامی جواب دیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت شاہ شہیدؒ کا نظریہ یہی تھا۔ سبحان اللہ، کیا عجیب توجیہ ہے! حکایات الاولیاء میں مولانا تھانوی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ "مولانا شہیدؒ نے سبحان علی خاں (شیعہ) سے کہا کہ بتاؤ حضرت امیر معاویہؓ پر حضرت علیؓ کے دربار میں تبرا ہوتا تھا۔ اس نے کہا: "نہیں، حضرت علیؓ کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا" شاہ شہیدؒ نے پھر پوچھا کہ "حضرت معاویہؓ کے یہاں حضرت علیؓ پر تبرا ہوتا تھا؟" اس نے کہا کہ "بے شک ہوتا تھا"۔ اس پر مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ "اہل سنت الحمدللہ حضرت علیؓ کے معتقد ہیں اور روافض حضرت معاویہؓ کے"۔ اگرچہ پہلے دو سوالات کے جوابات پر شاہ شہید کا خاموش رہنا ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ خود اسے تسلیم کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ پر حضرت علیؓ تبرا نہیں کرتے تھے مگر حضرت علیؓ پر امیر معاویہؓ کے ہاں تبرا ہوتا تھا، لیکن بعد میں دوبارہ جب انہوں نے فرما دیا ہم اہلِ سُنّت حضرت علیؓ کے معتقد ہیں جو تبرا نہیں کرتے تھے اور روافض حضرت معاویہؓ کے معتقد ہیں